ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک*

قرآن مجید کے احسانات عربی زبان و ادب پر

تمام اسلامی تعلیمات کا سرچشمۂ فیض ، جمیع علوم اسلامیہ و عربیہ کا مرجع و مرکز ، انسان کی جسمانی و روحانی اصلاح و فلاح کا مدار، مسلمانوں کی ترقی کا رازِ سربستہ ، عالم کی تاریکیٔ جہالت کو فنا کر دینے والا ، آفتاب درخشاں ، نوع انسانی کو سعادتِ ابدی اور نجات سرمدی کی منزل مقصود تک پہنچانے والا ہادی برحق قرآن مجید فرقان حمید ہے -

قرآن مجید نے عربوں کی تہذیبی ، تمدنی ، اخلاقی ، معاشرتی ، دینی اور سیاسی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کے ذہنی و دماغی قویٰ کو علم و حکمت کی تحصیل و تکمیل کی طرف بھی مائل کیا اور اس طرح وہ ایک طرف تو غیر متمدن اقوام کے درجے سے ترقی کر کے خیر الامم یعنی بہترین قوم کے لقب سے ملقب ہوئے اور دوسری طرف انھوں نے جہالت کی تاریکی سے نجات حاصل کرنے کے بعد اطراف و اکناف عالم میں علوم و فنون کی تحصیل اور ترویج و اشاعت میں ایسے عظیم کارنامے انجام دیے کہ تاریخ میں اُن کی مثال نہیں ملتی - مسلمانوں کے یہ کارنامے اتنے واضح ، روشن اور اہم ہیں کہ مخالفین و معاندینِ اسلام بھی ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں -

ظہور اسلام سے ہی اسلامی معاشرے میں قرآن مجید کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہو گیا تھا وہ دنیا کی کسی دوسری مذہبی کتاب کو حاصل نہ ہو سکا - قرآن مجید وحیٔ الٰہی ، اسلامی قانون اور تشریع کی بنیادی اساس اور انسانی زندگی کے لیے دستور حیات اور مشعلِ راہ ہونے کے ساتھ ساتھ امتِ مسلمہ کی سب سے پہلی ادبی نص بھی تھا جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب کے مشہور فصحاء و بلغاء اپنی کس مپرسی اور بے بسی کا اظہار کر چکے تھے - عتبہ بن ربیعہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سورۂ خصلت کی ابتدائی آیات سن کر اپنی قوم کے پاس واپس لوٹا ، تو انھوں نے سوال کیا : ابو الولید کیا سن کر آئے ہو تو اس نے جواب دیا : انی سمعت قولا ما سمعت مثله قط. واللہ ما هو بالشعر ولا بالسحر ولا بالکهانة ، یا معشر قریش أطیعونی واجعلوها بی ، وخلط بین هذا الرجل وبین ما هو فیه. ولید بن مغیرہ نے قرآن مجید کی چند آیات سن کر کہا : واللہ ان

---

* ڈین فیکلٹی و صدر شعبۂ عربی -

لقوله لحلاوة وان اصله لعذق وان فرعه لخباة. قرآن مجید کی معجزانہ تاثیر اور بلاغت و اعجاز کے بارے اس طرح کی بہت سی روایات تاریخ و سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں ۔

جب کسی کتاب کو معاشرے میں اتنی بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہو جائے تو پھر وہ اس معاشرے کی تہذیب و ثقافت اور اس کی جملہ علمی ، فکری ، ادبی ، تحقیقی اور تالیفی کاوشوں کا مرکز و محور بن جاتی ہے اور اس کے مطالب ، اسرار و رموز سے کماحقہ آشنا ہونے اور اس کے الفاظ اور متن کو دست بُردِ زمانہ سے بچانے کے لیے کئی نئے علوم وضع کیے جاتے ہیں ۔

قرآن مجید کے عربی زبان و ادب پر اثرات پر مفصل گفتگو کرنے سے قبل یہ مناسب ہے کہ نزول قرآن اور ظہور اسلام کے بعد قدیم جاہلی علوم و آداب میں جو تغیرات رونما ہوئے ان کا سرسری سا ذکر کر دیا جائے ۔

قدیم عربی ادب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی وجہ سے علوم عرب میں تین قسم کے تغیرات رونما ہوئے :

۱۔ اسلام نے جاہلیت کے ایسے علوم کو جو عقل کے خلاف تھے یا لغو اور احمقانہ تھے ناپسندیدہ قرار دیا ۔ اس سلسلے میں کہانت اور عرافت کا ذکر کیا جا سکتا ہے ۔

۲۔ اسلام نے بعض جاہلی علوم کو بہت ترقی دی ، مثلاً لغت ، کتابت ، خطابت اور شاعری ۔

۳۔ اسلام نے بہت سے نئے علوم پیدا کیے ۔

ظہور اسلام کے بعد علوم عرب دو حصوں میں تقسیم ہوگئے ۔ قدیمہ اور جدیدہ ، قدیمہ سے مراد وہ علوم تھے جو جاہلی دور میں بھی موجود تھے ، مثلاً لغت ، کتابت اور شعر وغیرہ علوم جدیدہ دو طرح کے ہیں ۔ اسلامیہ اور دخیلہ ، علوم اسلامیہ سے مراد وہ علوم ہیں جو مسلمانوں نے خود وضع کیے ۔ ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے : شرعیہ ، لسانیہ اور تاریخیہ ، شرعیہ کے ضمن میں تفسیر ، حدیث ، فقہ وغیرہ علوم آتے ہیں ۔ علوم لسانیہ کا اطلاق صرف و نحو ، علم معانی و بیان اور عروض و قافیہ وغیرہ پر ہوتا ہے ۔ علوم لسانیہ ، علوم شرعیہ کے حصول کے لیے ایک سبب یا ذریعے کا کام دیتے ہیں ۔ علوم دخیلہ سے مراد وہ علوم ہیں جو غیر اقوام سے منقول ہو کر عربی زبان میں آئے اور جن کی داغ بیل عربوں سے قبل گزری ہوئی متمدن اقوام نے ڈالی تھی ۔ علوم لسانیہ اور شعر و خطابت سب کو ملا کر علوم عربیہ یا ادبیات کہتے ہیں ۔ علوم شرعیہ منقولات بھی وہ علوم جو رسول کریمؐ یا بزرگان سلف سے نقل ہو کر ہم تک پہنچے اور علوم

دخیلہ پر معقولاۃ یعنی وہ علوم جن کا دارومدار نقل پر نہیں بلکہ عقل پر ہے کا اطلاق کیا جاتا ہے -

ہم ان علوم کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں اور ان پر اسلام اور قرآن مجید کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں - ہم اس جائزے کی ابتداء علوم قدیمہ جاہلیہ یعنی لغت ، کتابت اور شعر سے کریں گے -

لغت

ہر قوم کی زبان اس کی عقل و فراست اور اخلاق و آداب کی امین ہوتی ہے - زبان کے ذریعے مختلف اقوام کی ذہنی و اخلاقی حالت کا بہت حد تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے - کوئی قوم بھی ہمیشہ یکساں حالت میں نہیں رہتی بلکہ اس کو عروج و زوال کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جس کی بنا پر اس پر مختلف احوال و کیفیات طاری ہوتی ہیں - عروج و زوال کے ان ادوار کے آثار اس قوم کی زبان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ اور باقی رہ جاتے ہیں جن سے اس قوم کی تاریخ لکھنے کے لیے بہت کچھ مواد مل سکتا ہے -

اہل عرب دور جاہلیت میں اپنے ملک کے جغرافیائی حالات کی بنا پر خانہ بدوش اور صحرا نورد تھے - غارتگری اور کشت و خون ان کا کام تھا - بنا بریں ان کی زبان اغراضِ بدویت سے مالا مال اور جذباتِ جدال و قتال سے معمور ہے - شعر و خطابت جاہلی عربوں کے مایہٗ ناز فن تھے لیکن ان کی شاعری و خطبات کا موضوع بدوی زندگی کی عکاسی اور جاہلی کارناموں کا تذکرہ ہے - ان میں نہ تو اخلاقیات پر بحث ہے اور نہ علوم عقلیہ کی موشگافیاں نظر آتی ہیں -

لیکن جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور قرآنی ہدایات ساتھ لائے تو اس کی اتباع میں عربوں میں ایسی روح پیدا ہوگئی جس نے ان کو آسمان کمال پر آفتاب عالمتاب کی طرح روشن کر دیا ، ذرے کا آفتاب ہو جانا ، قطرے کا دریا بن جانا ، وحشی و جاھل قوم کا اخلاق و آداب ، علم و فضل اور ہدایت و سعادت میں دیگر اقوام کے لیے نمونہ بن جانا قرآنی تعلیمات کا ادنیٰ کرشمہ تھا - اخلاقی ، تہذیبی اور دینی اصلاح کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے عربوں کی زبان کو اتنی ترقی دی کہ دنیا کی کوئی اور زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی - جاہلی دور کی زبان میں جو کمی تھی قرآن مجید کی بدولت پوری ہو گئی اور جو جو نقائص تھے سب دور ہو گئے -

اسلام کا عربی زبان پر جو اثر ہوا اس کی تفصیل یہ ہے :

اسلام سے پہلے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف قبائل کے ہاں ان کے اپنے اپنے

لہجے مروج تھے - وہ سب اگرچہ عربی زبان بولتے تھے لیکن ان کے محاورات اور الفاظ میں بہت فرق تھا جس کی تفصیل قدیم عربی ادب کی کتابوں، مثلاً ادب الکاتب لابنِ قتیبہؒ، الکامل للمبرد، البیان و التبین للجاحظ، العقد الفرید لابن عبداللہ صبح الاعشی لِلْقلشقندیؒ اور کتاب الاغانی لابی الفرج الاصفہانی میں مذکور ہیں - عربی زبان پر قرآن مجید کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس کی بدولت تمام جزیرہ نمائے عرب کے قبائل کا اتحاد عربی زبان کے ایک لہجے یعنی لہجہ قریش پر ہوگیا - کیونکہ قرآن مجید قریش کے لہجے میں نازل ہوا تھا - اس لہجے پر عربوں کے اجماع و اتحاد کے بعد عربی زبان میں ایک عالمی اور بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے بیرون عرب پھلنے، پھولنے اور پھیلنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی - مختلف سائنسی اور ادبی علوم کو سمونے کی صلاحیت بھی عربی زبان میں اس کے بعد ہی معرض وجود میں آ سکی - اگر قرآن مجید عربی زبان میں اور قریش کے لہجے میں نازل نہ ہوتا تو جزیرہ نمائے عرب کے متعصّب و متحارب قبائل کبھی بھی اپنی اپنی مادری بولیوں کو چھوڑ کر کسی دوسرے قبیلے کے لہجے کو نہ اپناتے - نتیجۃً جزیرہ نمائے عرب میں سینکڑوں چھوٹی چھوٹی بولیاں بولی جاتیں جو عربی ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتیں اور اس طرح عربی ایک عظیم بین الاقوامی زبان کی حیثیت کبھی بھی حاصل نہ کر سکتی -

ظہور اسلام سے قبل عربی جزیرہ نمائے عرب کی حدود تک محدود و محصور تھی - نزول قرآن اور ظہور اسلام کے بعد جب مسلمان اعلائے کلمۃ اللہ اور تبلیغ و تلقین دین کے فریضے کی بجا آوری کے لیے دنیا کے مختلف ممالک میں گئے تو ان کی بدولت عربی ان ممالک میں روشناس ہوئی اور جب ان ممالک کے لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو قرآن مجید اور اسلام کی زبان ہونے کے باعث اسے ان ممالک میں پھیلنے کا موقع مل گیا - جزیرہ نمائے عرب سے باہر جملہ ممالک مثلاً مصر، شام، عراق اور افریقہ وغیرہ میں عربی اسلام اور قرآن کی بدولت پھیلی اور اس نے رفتہ رفتہ ان ممالک کی اصل زبانوں کو ختم کر دیا - دیگر اسلامی ممالک میں عربی اگرچہ اصل زبانوں کو ختم تو نہ کر سکی تاہم اس نے وہاں کی اصل زبانوں پر گہرا اثر ڈالا اور وہاں عربی زبان و علوم جاننے والی علماء کی ایک بہت بڑی تعداد پیدا ہوئی جنھوں نے عربی زبان، شعر اور ادب کی بہت خدمت کی - اس سلسلے میں ترکی، ایران، افغانستان اور برصغیر کی مثال دی جا سکتی ہے -

جوں جوں وقت گزرتا گیا مختلف عرب ممالک کی عربی زبان میں مخصوص ماحول، طرز معیشت، تمدن اور حالات کی بنا پر تبدیلیاں پیدا ہوتی چلی گئیں اور

اس طرح عربی زبان کے مختلف مخصوص مقامی لہجے پیدا ہو گئے جس کو اصطلاح میں لغت دارجہ یا Colliquai Dialects کہتے ہیں ۔ خالص قرآنی عربی کو عربی فصحیٰ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ مختلف عرب ممالک کی لغت دارجہ یعنی Colliqual Dialects ایک دوسرے سے اس حد تک مختلف ہیں کہ عرب ہونے کے باوجود وہ ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکتے ہیں ۔ مراکو ٹیونس اور الجزائر کے مقامی لہجے مصر سے نہیں سمجھے جاتے اور مصر کا لہجہ ان ممالک میں ناقابل فہم ہے ۔

جب تک مسلمان سیاسی طور پر مضبوط رہے اور ان کا تمدن عروج پر رہا ان محلّی لہجوں کی بنیاد پر کوئی پریشانی پیدا نہ ہوئی، لیکن جب اسلامی سلطنتیں انحطاط و اضمحلال کا شکار ہو گئیں اور سامراجی طاقتوں نے مسلمان ممالک پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تو انھوں نے عربوں میں تفرق و تشتّت کے بیج بونے کے لیے انھیں یہ احساس دلانا شروع کیا کہ وہ ایک عظیم عرب قوم کے افراد نہیں ۔ ان کی زبان فصیح عربی نہیں بلکہ ان کے مقامی لہجے ہیں ۔ لھذا ان کو بول چال کے ساتھ ساتھ تحریر و تقریر اور تصنیف و تالیف میں بھی اپنی مقامی بول چال کو استعمال کرنا چاہیے ۔ فصیح عربی ان کے لیے ایک اجنبی زبان ہے جس میں وہ اپنا مافی الضمیر کماحقہ ادا نہیں کر سکتے ، اور یہ بات ثابت کرنے کے لیے مستشرق حضرات نے دلائل کے انبار لگا دئیے ۔ مختلف ممالک کے محلی لہجوں پر کثیر التعداد کتابیں تالیف کی گئیں ۔ ان لہجوں کی لغاتیں ، گرامریں اور ریڈرز مرتب کی گئیں ۔ تاکہ لوگ فصحیٰ کو چھوڑ کر ان لہجوں کو اپنا لیں ۔

ان مُسْتشرقْ حضرات کا مقصد علمی نہیں بلکہ سیاسی تھا ۔ وہ عربوں میں تفرق و تشتت کے بیج بو کر ان کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر کے اپنے استعمار کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتے تھے ۔ ان حالات میں قرآن مجید نے دوبارہ عربی زبان اور عرب اقوام پر احسان عظیم کیا ۔ اس مقدس کتاب اللہ کی بدولت فصیح عربی اقوام غرب کی پوری کوشش کے باوجود معدوم ہونے سے بچ گئی اور عربوں کا قومی تشخص اقوام یورپ کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہا ۔

اگر تمام عالم اسلام کے لوگ قرآن مجید کی تلاوت ہر روز اصل اور فصیح عربی میں نہ کرتے ہوئے اور تلاوت کے ساتھ ساتھ قرآن کے مطالب و مفہوم اور علوم القرآن کی طرف پوری توجہ نہ دیتے ہوتے تو خدشہ تھا کہ اقوام یورپ کی کوششوں اور پروپیگنڈا کے باعث فصیح عربی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی اور اس کی جگہ مقامی لہجے لے لیتے ۔ اس طرح عربی زبان کی وہی حیثیت ہو جاتی جو زوال روم کے بعد لاطینی کی ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ عربوں کا ایک قوم کی حیثیت سے

وجود ختم ہو جاتا -

قرآن مجید نے عربی زبان کی حفاظت کی اور اس مقدس کتاب کی بدولت آج افریقہ کے دور دراز علاقوں میں رہنے والا عرب یمن کے دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں بسنے والے عرب کی بات سمجھ سکتا ہے اور اس سے گفتگو کر سکتا ہے -

یہی نہیں بلکہ اس مقدس کتاب کی برکات کی بدولت عربی زبان عرب مسلم ممالک میں بھی کثرت کے ساتھ سمجھی جاتی ہے اور وہاں ایسے علماء کی بہت بڑی تعداد موجود ہے جو غیر عرب ہونے کے باوجود فصیح عربی بول اور سمجھ سکتے ہیں - کیونکہ وہ علوم اسلامیہ اور قرآن مجید کی تحصیل و تکمیل کے لیے بہت محنت سے عربی سیکھتے ہیں -

مختصر یہ کہ قرآن مجید کی بدولت عربی زبان کو مسلمانوں کی بین الاقوامی زبان کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے - دنیا کی کسی دینی کتاب نے اپنی زبان کی اس طرح حفاظت نہیں کی جس طرح قرآن مجید نے عربی زبان کی کی ہے اور اس نقطہ سے بھی قرآن مجید کو دیگر کتب سماوی پر امتیاز حاصل ہے -

ظہور اسلام کے بعد عربی زبان کے اغراض و مقاصد بہت وسیع ہو گئے - دور جاہلیت میں زبان کا استعمال زیادہ تر بدوی زندگی کے لوازمات یعنی خانہ بدوشی اور صحرا نوردی کی تفصیلات اور باہمی جدال و قتال اور کشت و خون کے واقعات بیان کرنے کے لیے ہوتا تھا لیکن ظہور اسلام کے بعد عقائد دینیہ، احکام شرعیہ، امور سیاسیہ و اجتماعیہ اور اخلاقیات وغیرہ عربی میں بیان ہونے لگیں جس کے باعث عربی زبان میں نئے نئے الفاظ، اصطلاحات اور تراکیب داخل کی گئیں جس سے عربی کی لغوی ثروت میں بیش بہا اضافہ ہوا اور اس طرح عربی آئندہ صدیوں میں ایک عظیم علمی زبان بننے کے قابل ہو سکی -

عربی زبان کے الفاظ و اسالیب میں بھی قرآن مجید کے زیر اثر بڑا تغیّر رونما ہوا - اگرچہ عربی زبان میں مختلف علوم و فنون سے متعلق اصطلاحات زیادہ تر عباسی دور میں وضع کی گئیں تاہم صدر اسلام میں ہی بہت سے الفاظ لغوی معنوں کے علاوہ خاص اسلامی معنوں میں استعمال ہونے لگے - مثلاً صلوٰۃ، صیام، زکوٰۃ، مؤمن، کافر، فاسق، منافق، رکوع، سجود، حج، خلیفہ، امیر المؤمنین، کاتب، عامل، قاضی، بیت وغیرہ لغوی معنی کے برعکس اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے لگے -

اسلوب گفتگو میں بھی بہت فرق آگیا اور نئے نئے جملے، الفاظ اور تراکیب استعمال ہونے لگیں - حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ''اطال اللہ بقاءك'' کے الفاظ حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے بارے میں استعمال کیے ۔ اس طرح کے الفاظ زمانہ جاہلیت میں کبھی استعمال نہیں ہوئے تھے ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے ایسے جوامع الکلم (محاورے) مروی ہیں جن کو سب سے پہلے آپ نے استعمال فرمایا اور زمانہ جاہلیت میں معروف نہیں ہیں ۔ الجاحظ اپنی مشہور و معروف کتاب البیان و التبین میں لکھتا ہے : نذکر من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : مما لم یسبق الیہ عربی ولم یشارکہ فیہ عجمی ولم یدع لاحد ولا ادعاہ احد مما صار مستعملا ومثلا سائرا. (اب ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کا تذکرہ کریں گے جس طرف کوئی عرب سبقت نہ لے جا سکا اور جس میں کسی عجمی کو بھی شرکت کی فضیلت حاصل نہ ہو سکی ۔ نہ وہ کسی طرف منسوب کیا گیا اور نہ کسی نے اس پر دعویٰ کیا ۔ وہ کلام جو امثال سائرہ کے طور پر عام استعمال ہونے لگا) ۔ اس مختصر تمہید کے بعد الجاحظ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضع کردہ بہت سے محاورے درج کیے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :

(۱) یا خیل اللہ ارکبی ۔ (۲) مات حتف انفہ ۔ (۳) لم ینطح فیہ عنزان ۔ (۴) الآٰن حمی الوطیس (۵) لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین ۔ (۶) کل الصید فی جوف الفرا. (۷) ھدنہ علی دخن و جماعۃ علی اقذاء. (۸) الید العلیا خیر من الید السفلی. (۹) الناس کابل مائۃ لا تجدُ فیھا راحلۃ.

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے ہوئے یہ محاورے تصنع و تکلف سے پاک اور حشو و زوائد سے صاف ہیں ۔ ان میں غریب و وحشی الفاظ کا استعمال ہے اور نہ ھجین و سوقی کا ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں استعمال ہونے والے الفاظ کی تعداد بہت کم ہے لیکن ان میں معانی اور مطالب کا ایک سمندر پوشیدہ ہے ۔ الجاحظ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے محاسن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : لم یسمع الناس بکلام قط اعم نفعا ولا اصدق لفظا ولا اعدل وزنا ولا اجمل مذھبا ولا اکرم مطلبا ولا احسن موقعا من کلامہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے بارے میں محمد بن سلام الجمحی یونس بن حبیب کا یہ قول نقل کرتے ہیں : ما جاءنا عن احد من روائع ما جاءنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ و تراکیب کی ان خصوصیات کی بدولت لوگوں نے ان کو پسند کیا اور انھیں اپنی تحریر و تقریر میں استعمال کرنا شروع کر دیا ۔ الجاحظ کے قول کے مطابق وھٰذا الکلام الذی القی اللہ المحبۃ علیہ وغشاہ بالقبول ۔

قرآن مجید کے اسلوب و اثرات کے زیر اثر معرض وجود میں آنے والے ان جدید

محاورات و تراکیب کی بدولت عربی زبان کی علمی ثروت میں بیش بہا اضافہ ہوا اور عربی زبان میں اظہار کی صلاحیت مزید بہتر ہو گئی ۔

اسی طرح بہت سے الفاظ جو زمانہ جاہلیت میں مروج تھے ظہور اسلام کے بعد متروک ہو گئے ۔ مثلاً مرباع یعنی مال غنیمت کا چوتھائی حصہ جو فوج کا سردار دور جاہلیت میں اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے ۔ نشیطہ یعنی مقام مقصود سے پہلے راستے میں جو مال غنیمت مل جائے ۔ فضول : تقسیم کے بعد جو مال بچ جائے اور تقسیم نہ ہو سکے ۔ مکس : ایک جاہلی ٹیکس ۔ اسی طرح دور جاہلیت کا گڈمارننگ انعم صباحاً یا گڈایوننگ انعم ظلاماً یا بادشاہ کو ابیت اللعن کہنا ۔ اسلام اور قرآن مجید کی تعلیمات کے زیر اثر متروک ہوگیا اور ان کی جگہ السلام علیکم نے لے لی ۔

قرآن مجید کی بدولت شعر اور خطبے کے اسلوب میں بھی بہت تبدیلیاں آئیں ۔ کلام الٰہی اور حدیث نبوی نے شعراء کے مذاق میں عفت و پاکیزگی اور لطافت و نزاکت پیدا کر دی ۔ قرآنی آیات اور احادیث نبوی شاعروں اور خطیبوں کی زبان پر چڑھ گئی ۔ کوئی خطبہ ایسا نہ ہوتا تھا جس میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی سے استشہاد نہ کیا جاتا ہو ۔

یزید بن المہلب کے قتل کے بعد جب الحارث بن خدان کو تقریر کے لیے کہا گیا تو اس نے اپنے خطبے کی ابتداء ان الفاظ سے کی : یاایھا الناس ، اتّقوا الفتنة فانھا تقبل بشبھة و تدبر ببیان و ان المؤمن لا یلسع من جحر مرتین اور اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو ضرب المثل کے طور پر استعمال کیا ۔ بعینہ ابن الاشعث نے اپنے ایک خطبے میں یہ الفاظ استعمال کیے : قد علمنا ان کنا نعلم وفھمنا ان کنا نفھم ان المومن لا یلسع من جحر مرتین ۔

بعض خطیبوں نے تو اپنے خطبوں کو کلی طور پر قرآن مجید سے ہی مرتب کرنا شروع کیا ۔ چنانچہ جب مصعب بن الزبیر عراق آئے اور انھوں نے اہل عراق کو اپنے بھائی عبداللہ کی بیعت و اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا تو انھوں نے جو خطبہ دیا وہ سارے کا سارا سورۃ القصص کی ابتدائی ۶ آیات پر مشتمل تھا ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓمّٓ ○ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ○ نَتۡلُوۡا عَلَیۡکَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰی وَ فِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ○ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلَ اَہۡلَہَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَۃً

مِنْھُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَ ھُمْ وَ یَسْتَحْیِیٔ نِسَآءَ ھُمْ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ۝ لفظ مفسدین کے بعد مصعب بن الزبیر نے شام کی طرف اشارہ کیا ۔ مقصود یہ تھا کہ جو آیات پہلے پڑھی گئی ہیں ان کا مصداق اصحاب شام یعنی بنو امیہ ہیں ۔ اس کے بعد اس نے آیات کی تلاوت جاری رکھی اور کہا : و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم الوارثین. وارثین کے بعد انھوں نے حجاز کی طرف اشارہ کیا ۔ ان کی مراد یہ تھی کہ وراثت کا وعدہ ان کے بھائی عبداللہ کے لیے ہے اور اوپر کی آیت کے وہی مصداق ہیں اور اس کے بعد انھوں نے تلاوت جاری رکھی اور کہا : و نمکن لهم فی الارض و نری فرعون و هامان و جنودهما منهم ما کانوا یحذرون. یحذرون کے بعد انھوں نے عراق کی طرف اشارہ کیا ۔ یہ خطبہ البیان و التبین ، العقد الفرید اور تاریخ طبری میں مذکور ہے اور حضرت مصعب کے اہم خطبات میں شمار کیا جاتا ہے ۔

مسلمان ان خطبوں کو جن میں آیات قرآنیہ سے استشهاد نہ ہوتا ناپسند کرتے تھے ۔ جس خطبے میں آیات قرآنیہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام نہ ہوتا اسے الشوهاء (بدصورت) کہا جاتا اور جس خطبے میں تحمید و تمجید نہ ہوتی اسے البتراء (دم بریدہ) کہا جاتا ۔

کتابت

اسلام سے پہلے عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا ۔ ظہور اسلام کے وقت صرف دس بارہ قریشی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ۔ سب سے پہلے آنحضور نے اشاعت و کتابت کی طرف توجہ دی ۔ بدر کے اسیران جنگ میں سے جو غریب تھے اور لکھنا جانتے تھے سے کہا گیا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دو اور آزاد ہو جاؤ ۔ نزول قرآن کے خاتمے تک آپ کے کاتبین کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی تھی ۔ ابتداء میں مسلمان خط حیری یا انباری میں لکھا کرتے تھے ۔ جب ۱۸ھ میں حضرت عمر نے کوفہ کی بنیاد رکھی تو اہل حیرہ و انبار بھی وہاں آ آباد ہوئے اور کوفہ میں انھوں نے خط حیری و انباری کی مزید تزئین و آرائش کی جو بعد میں خط کوفی کے نام سے مشہور ہوا ۔ یہ کوفی خط ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ صورت میں تھا ۔ اس میں ایک حرف کو دوسرے حرف سے ممیّز کرنا بہت مشکل تھا ۔ اس میں نہ نقطے اور نہ اعراب ۔ عرب فطری ملکے کی بنا پر اس کو صحیح پڑھ لیا کرتے تھے لیکن جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور غیر عرب اقوام حلقہ بگوش اسلام ہونے لگیں تو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں

قرآن مجید میں بھی لحن نہ ہونے لگے۔ چنانچہ قرآن مجید کو صحیح صحیح پڑھنے کے لیے نقطے اور زیر زبر پیش وضع کیے گئے اور خط کو زیادہ مکمل اور بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔ ابو الاسود الدؤلی نے حرکات وضع کیں وہ فتحہ پر دلالت کرنے کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ دیا کرتا تھا۔ کسرہ کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ اور ضمہ کے لیے حرف کی جانب شمال ایک نقطہ۔ تنوین کی صورت میں دو نقطے لگاتا جو اصل تحریر سے مختلف روشنائی میں ہوتے۔ نصر بن عاصم اور یحیی بن یعمر نے حجاج کے حکم سے حرف کے اوپر اور نیچے نقطے لگانے شروع کر دیے۔ اس کی ضرورت بھی قرأت قرآن میں تصحیف یعنی نقطوں کی اغلاط سے محفوظ رہنے کے لیے ہوئی۔ کیونکہ نقطوں کے بغیر د اور ذ اور ص اور ض اور ان کی طرح کے دوسرے حروف میں تمیز مشکل ہے اور نقطوں کی غیر موجودگی میں علماء بھی غلطیوں کا ارتکاب کرنے لگے تھے۔

بعد ازاں عباسی دور میں عربی خط کو مزید بہتر بنایا گیا اور مختلف حسین و جمیل خط وضع کیے گئے۔ عربی خط میں جتنی ترقی اور تطور ہوا۔ وہ سب کا سب قرآن مجید کا مرہون منت ہے۔ مختلف خطاط خط کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے مستقل کوششیں کرتے رہے جن کی تہ میں صرف یہ جذبہ کارفرما تھا کہ لوگ قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھ سکیں۔ الاستاد سید ابراہیم اپنے مقالے الخط العربی، اصلہ و تطورہ میں اس حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لقد کان القرآن الکریم هو الروح الحی الذی قاد قافلة الابداع الفنی فی علم المسلمین جمیعا و اخذ الخط کفن نصیبه الأوفی من ذلک الا بداع۔ مسلمانوں نے جو فنی یعنی ٹیکنیکل ایجادات کیں ان کی تہ میں جو زندہ و تابندہ روح کارفرما تھی وہ قرآن مجید کے اثرات تھے۔ خط عربی کو بھی بحیثیت ایک فن کے اس ابداع و ایجاد کی تحریک سے پورا پورا حصہ ملا۔

انشاء

دور جاہلیت کی انشاء و نثر کے نمونوں میں سے سوائے کاهنوں کی سجع اور دور جاہلیت کے دو مشہور کاهنوں شق بن و صعب البجلی اور سطیح الذئبی کے اقوال کے اور کچھ ہم تک نہیں پہنچا۔ یہ سجع اور اقوال بے معنی، لغو اور رکیک ہونے کے باعث ذوق سلیم پر گراں گزرتے ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد انشاء میں بھی خطابت کی طرح بہت ترقی ہوئی اور انشاء پرداز انتہائی فصیح و بلیغ انداز میں اپنے ما فی الضمیر کا اظہار کرنے لگے۔

کاتب حضرات ایجاد و بلاغت میں قرآن مجید کے اسلوب کی پیروی کرتے اور حضور کی حدیث ''اوتیت جوامع الکلم و اختصرلی الکلام ''اختصاراً'' کے تتبع میں حتّی الامکان اختصار سے کام لیتے ۔ ان کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی کہ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی کو سمو دیں ۔ ظہور اسلام کے بعد فصاحت و بلاغت کے اظہار اور اثر آفرینی کے لیے کاتب حضرات اپنے مراسلات و مضامین میں حسب مقتضائے حالات قرآنی آیات درج کر دیا کرتے تھے جو ترصیع یا تطریز کی صورت میں اصل عبارت میں شامل ہو جاتیں اور یہ رواج آج تک باقی ہے اور دور حاضر کے اہم نثر نگاروں مصطفیٰ لطفی المنفلوطی اور ڈاکٹر طہٰ حسین تک نے آیاتِ قرآنی کو اپنی عبارات میں شامل کیا ہے ۔

قرآن مجید نے عربی انشا پر جو گہرا اثر ڈالا اسی کے اظہار کے لیے حضرت علی کے بلیغ خطبات و رسائل کا ذکر کافی ہے ۔ مثال کے طور پر حضرت علی کے ایک طویل خطبے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں ۔ اللھم انی اقتضیک و عدک فانک قلت و قولک الحق ''ثم بُغِیَ علیه لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ'' اللھم انجزلی موعودک ولا تکلنی الی نفسی انک علی کل شیء قدیر ۔

بنو امیہ کے ابتدائی دور میں انشا اور خطوط نویسی اسی نہج پر رہی ولید بن عبدالملک کے دور میں قرآنی اسلوب کو چھوڑ کر تصنع و تکلف شروع کر دیا گیا لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور آیا تو پھر پرانے اسلوب کو اختیار کر لیا گیا ۔ بنو عباس کے دور میں بہت سے عظیم ادیب ، نثر نگار اور انشا پرداز پیدا ہوئے جن میں عبداللہ ابن المقفع ، سھل بن ھارون ، ابن الحمید ، الصاحب بن عباد اور بدیع الزمان الھمدانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ان جملہ انشا پردازوں کے اسلوب پر قرآنی اندازو اسلوب کا بڑا گہرا اثر نظر آیا ہے ۔

علوم قدیمہ جاہلیہ پر قرآن مجید کے اثرات کے اسی انتہائی مختصر جائزے کے بعد اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے زیر اثر عربی زبان میں کون کون سے نئے علوم پیدا ہوئے۔ جرجی زیدان اپنی کتاب تاریخ آداب اللغة العربیه میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمدن کے دور عروج میں علوم و فنون کی تعداد بڑھتی ہی گئی حتیٰ کہ اُن کی تعداد تین سو سے تجاوز کر گئی ۔ و اکثر ھا نَشَأَ من القرآن الکریم او تولد خدمة له ۔ ان میں سے بیشتر یا تو قرآن مجید سے نکلے یا قرآن مجید کی خدمت کے لیے وضع کیے گئے ۔

علماء کرام نے علوم القرآن کے موضوع پر مشتمل کتابیں تالیف کی ہیں ۔ جن میں سے ابن الجوزی کی دو کتابیں فنون الافنان فی علوم القرآن اور المُجتبیٰ فی علوم

تتعلّق بالقرآن اور بدر الدین الذرکشی کی البرهان فی علوم القرآن اور امام جلال الدین السیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ امام السیوطی نے زر کشی کی کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے ۔ علامہ جلال الدین السیوطی نے خاص قرآنی علوم کی تعداد ۸۰ بیان کی ہے جن میں سے ہر ایک پر علماء اسلام نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں الغرض یہ کہ قرآن پاک ایک مخزن علوم و فنون ، منبع اسرار حقائق اور سر چشمہ اصول دین ہے اور دنیا کی کوئی دوسری کتاب اس خصوصیت میں اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔

صرف اُن علوم کے تذکرے کے لیے ہی جو قرآن مجید سے متفرع ہوئے یا قرآن مجید کی خدمت کے لیے وضع کیے گئے بہت وقت درکار ہے جس کی ہماری آج کی یہ مجلسی متحمل نہیں اس لیے میں صرف چند اہم علوم کا مختصر تذکرہ کرنے پر اکتفاء کرونگا :

قراءة القرآن

قراءت کے موضوع پر غالباً سب سے پہلے ابو عمرو بن العلاء نے کتاب القرأت تصنیف کی ۔ اُن کے ہم عصرابان بن تغلب اور مقاتل بن سلیمان نے بھی قراءةالقرآن پر کتابیں لکھی تھیں ۔ علامہ جلال الدین السیوطی بغیة الوغاة میں ہارون بن موسی الاعور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ موصوف نے سب سے پہلے قراءت پر کتاب تصنیف کی ہارون بن موسی چونکہ نسلاً یہودی تھے اس لیے مستشرق گولڈ زیہر نے اپنی کتاب مذاهب تفسیر اسلامی میں اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے فخر محسوس کیاہے ۔ جلال الدین السیوطی کو ہارون بن موسی سے پہلے کے مصنفین کے نام معلوم نہ ہو سکے اور انھوں نے ان کو پہلا مصنف قرار دے دیا ۔ گولڈزیر نے اسے ہی منتہائے تحقیق سمجھ لیا ۔ موصوف اگر قدیم کتابوں کی طرف مراجعت کر لیتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ ہارون بن موسی کو اولیت کا فخر حاصل نہیں بلکہ اُن کے استاد ابوعمرو بن العلاء اور اُن کے شیخ ابان بن اتغلب اس فن پر اُن سے پہلے کتابیں لکھ چکے تھے ۔ مقاتل بن سلیمان کی کتاب بھی اُن سے پہلے مرتب ہو چکی تھی ۔ ابوالخیر محمد بن محمد الجزری نے کتاب النشر فی قرأت العشر میں اس موضوع پر پہلا اور قابل اعتبار مصنف ابو عبید قاسم بن سلام کو قرار دیا ہے ہمارے پاس علم القراءة کی مفصل تاریخ بیان کرنے کے لیے وقت نہیں مختصر یہ کہ قرآن مجید کی سات قراءتیں اور سات ائمہ قراء بہت مشہور ہیں جن کے اسماء یہ ہیں : (۱) عبداللہ بن کثیر الداری ۔ آپ؅ انس بن مالکؓ عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری کے شاگرد تھے ۔ (۲) نافع بن عبدالرحمن ۔ آپ نے ۷۰ تابعین سے

علم القرأت روایت کیا جو ابوھریرہ ، ابی بن کعب اور عبداللہ بن عباس کے شاگرد تھے - (۳) ابن عامر حسن کا اصل نام عبداللہ الیحصبی تھا انھوں نے علم القراءۃ مغیرہ بن ابی شہاب المخزومی سے حاصل کیا تھا جو حضرت عثمان کے شاگرد تھے - (۴) ابو عمرو جو عبداللہ بن عباس اور ابی بن کعب کے شاگرد تھے - (۵) یعقوب جو ابن اسحاق الحضرمی کے شاگرد تھے - (۶) حمزہ اور عاصم جو ایسے تابعین سے روایت کرتے ہیں جنھوں نے صحابہ کرام سے علم القراءۃ حاصل کیا تھا - ان قراء سبعہ میں سے صرف ابن عامر اور ابو عمرو عربی النسل ہیں اور باقی سب عجمی اور موالی تھے - قراءۃ قرآن سے بعد میں سات علوم متفرع ہوئے یعنی علم الشواز ، علم مخارج الحروف علم مخارج الالفاظ ، علم الوقوف ، علم علل القرآن کتابۃ القرآن ، آداب کتابۃ المصحف ، ان جملہ علوم پر علماء کی مستند تصانیف موجود ہیں -

احکام القرآن

اس موضوع پر سب سے پہلے محمد بن السائب کلبی نے کتاب تصنیف کی لیکن محدثین کے ہاں ناقابل اعتبار ہونے کے باعث اُن کی کتاب کو شرف قبولیت حاصل نہ ہو سکا - اس موضوع پر پہلا معتبر مصنف امام محمد بن ادریس الشافعی کو قرار دیا گیا ہے اور امام شافعی کی کتاب قاہر سے دوبارہ ۱۹۵۱ء میں شائع ہو چکی ہے - در حقیقت یہ کتاب ابوبکر احمد بن الحسین البیھقی کی تالیف ہے - موصوف نے احکام سے متعلقہ آیات کی تشریح و توضیح کو امام شافعی کی تصانیف سے لے کر یک جا کیا اور احکام القرآن کا نام دے دیا جو احکام القرآن کے نام سے یاد کی جاتی ہے امام شافعی کے ہم عصر حافظ یحیی بن امام قرشی نے بھی اس موضوع پر دو کتابیں تصنیف کی تھیں - ایک کا نام احکام القرآن اور دوسری کا نام ایجاب التمسک باحکام القرآن ہے - بعد میں آنے والے بزرگوں نے اس موضوع پر نہایت عمدہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں -

بر صغیر ہند و پاک میں اس موضوع پر سب سے پہلے ملا جیون احمد بن ابی سعید ۱۱۳۰ھ میں التفسیرات الاحمدیہ فی بیان اٰلایاتالشرعیہ تالیف کی جس میں قرآن مجید کی کم و بیش پانچ سو آیتوں کی تشریح و توضیح حنفی نقطہٗ نظر سے کی ہے - یہ موصوف کی طالب علمی کے دور کی تصنیف ہے یہ کتاب اور اس کا اردو ترجمہ چھپ چکا ہے -

علم النحو

جب تک عربوں کو عجمیوں کے ساتھ میل جول کا موقع نہیں ملا تھا عربی

زبان میں لحن یعنی نحوی غلطیاں شاذ و نادر ہی واقعی ہوتی تھیں ۔ اسلامی فتوحات کے دائرے وسیع ہونے اور اشاعت اسلام کے بعد جب غیر عرب اقوام نے عربی زبان سیکھنی شروع کی تو چونکہ عربی ان کی مادری زبان کی نہ تھی اس لیے وہ کثرت سے نحوی غلطیوں کا ارتکاب کرنے لگے ۔ اسی طرح وہ عرب جو غیر عربوں کی صحبت میں بیٹھتے تھے بھی لحن کے ارتکاب سے محفوظ نہ رہ سکے لہذا نحوی قواعد کے مرتب کرنے کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جانے لگی ۔ ایک مرتبہ ابوالاسود الدؤلی نے ایک شخص کو قرآن مجید کی آیت ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ پڑھتے سنا وہ رسولہ کو مشرکین پر عطف کرکے زیر کے ساتھ پڑھ رہا تھا ۔ اعراب کی اس ذرا سی غلطی سے معانی میں بڑا فرق آ جاتا ہے ۔ اس پر ابوالاسود الدؤلی نے نحو کے ابواب عطف و نعت تالیف کیے جو اس علم کے بہت اہم اجزاء ہیں ۔ قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنے کے جذبے کی بنا پر رفتہ رفتہ نحو کے دیگر ابواب و اجزاء بھی ترتیب دیئیے گئے ۔

جب سیبویہ نے نحو پر اپنی مشہور و معروف کتاب جس کا نام ہی 'الکتاب' ہے مرتب کی تو اس نے مختلف نحوی مسائل کی وضاحت کے لیے صرف قرآن مجید سے تین سو شواھد پیش کیے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر علم النحو قرآن مجید کی اساس پر ھی مرتب کیا گیا ہے ۔

سیبویہ کے بعد ابوعلی الفارسی ، ابوالقاسم الزجاج نے بھی سیبویہ کے انداز پر نسبتاً مختصر کتابیں تالیف کیں ۔ بعد ازاں بصرہ اور کوفہ کے عربوں نے نحو پر بڑی مفصل بحثیں کیں ۔ مختلف نحوی مسائل اور قرآن مجید کی بعض آیات کے اعراب کے بارے میں ان میں شدید اختلافات پیدا ہوئے ۔ ان دونوں مکتبہ ھائے فکر کے علماء نے اپنے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت میں کتاب لکھی ۔ جب بغداد علم و ادب کا مرکز بنا تو وہاں نحویوں کا ایک نیا مکتبہ فکر معرض وجود میں آیا ، یہ وہ لوگ تھے جو کوفہ اور بصرہ کے علماء کے اختلاف پر محاکمہ کرکے دونوں گروھوں کی بہتر اور قرین انصاف آراء کو اختیار کرنا چاہتے تھے ۔ متاخر نحویوں میں سے ابن مالک صاحب کتاب التسہیل ، الزمخشری صاحب المفصل اور ابن الحاجب صاحب الفیہ قابل ذکر ہیں ۔

دوسری صدی ھجری کے ختم ہونے سے پہلے صرف نحو کے جملہ قواعد مرتب کر چکے تھے یونانیوں نے قواعد نحو کی تکمیل اپنی سلطنت کے قیام کے کئی صدیوں بعد کی جب کہ رومیوں نے یہ کام چھ صدیوں میں انجام دیا ۔

علم اللغة

ابن خلدون کے قول کے مطابق علم لغت سے مراد موضوعات لغویہ کا بیان یعنی مفرد الفاظ کے معانی و مفہوم کی وضاحت ہے ۔ عربی زبان میں لغت نگاری کا ارتقا اور بڑی بڑی لغتوں کی تدوین کا کام بھی قرآن مجید کے الفاظ مفردات کے معانی کو محفوظ کرنے اور ان سے کماحقہٗ آشنا ہونے کے جذبے کی بنا پر ہوا ۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ عجمیوں کے ساتھ جوں جوں عربوں کا میل جول بڑھتا چلا گیا عربی الفاظ غیر مناسب اور غلط مواقع پر استعمال ہونے لگے اور الفاظ کے صحیح معانی و مفہوم کرکے بارے میں اختلاف رونما ہونے لگا عجمیوں نے بعض ایسی تراکیب استعمال کرنی شروع کر دیں جو عربی زبان کے مزاج کے بالکل مخالف تھیں ان حالات میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ عربی الفاظ کے اصل معانی کو کتابی صورت میں مدون کے محفوظ کر لیا جائے تاکہ کہیں صحیح معانی کے ضائع ہو جانے کے باعث قرآن و حدیث کا مفہوم متعین کرنے میں دقت نہ پیش آئے ۔ ابن خلدون لکھتے ہیں : فاحتیج الی حفظ الموضوعات اللغویة بالکتاب والتدوین و خشیةالد روس وماینشـأ عنہ الجهل بالقرآن والحدیث ۔ فشمر کثیر من ائمة اللسان لذلک ۔

عربی زبان کی اولین معجم خلیل بن احمد الفراهیدی کی کتاب العین تھی جس کی تدوین اُس نے مخارج حروف کی بنا پر معجم کی ابتداء حروف الحلق سے اور حروف حلق میں سے عین سے کی ۔ اس بنا پر اس کتاب کو کتاب العین کا نام دیا گیا ۔ حروف حلق کے بعد حروف الحنک (تالوکے حروف) اور اُن کے بعد حروف الاضراس یعنی ڈاڑھ کے حروف کو بیان کیا گیا ۔ خلیل بن احمد کے بعد عربی لغت پر کثرت کے ساتھ کتابی تالیف کی گئیں ۔ الجوهری نے اپنی مشہور کتاب الصحاح حروف معجم کی ترتیب کی بنا پر مدون کی ۔ ابن سیدہ نے جو اندلسا کے شہر دانیہ کا رہنے والا تھا اپنی کتاب المحکم بھی اسی انداز پر مرتب کی ۔ عربی زبان کی مشہور ترین لغت لسان العرب جس کے مصنف کا نام ابن منظور ہے اواخر حروف کی بنا پر مرتب ہے اور ۲۰ جلدوں میں چھپ چکی ہے اس کتاب میں Enteries کی کل تعداد ۸۰ ہزار کے قریب ہے ۔ عربی کی سب سے بڑی لغت قاموس کی شرح تاج العروس ہے جس میں Entries کی کل تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے عام لغت کی کتابوں کی تدوین کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی خصوصی لغتیں بھی تیار کی گئیں ۔ قرآن مجید کی اہم ترین لغت مفردات غریب القرآن جس کے مؤلف امام راغب الاصفهانی اور حدیث کی اہم لغت زمخشری کی کتاب الفائق فی لغة الحدیث ہے ۔

شعر و ادب

چونکہ قرآن مجید اور حدیث نبوی عربی زبان میں ہے ، ان علوم کے حاملین یعنی صحابہ کرام اور تابعین عرب تھے اور قرآن مجید اور حدیث کی مشکلات کے حل کے لیے عربی ہی کی طرف رجوع ہو سکتا ہے اس لیے عربی زبان اور اس سے متعلق علوم کا سیکھنا اہل شریعت پر لازمی ہے - مقدمہ میں ابن خلدون نے اس رائے کا اظہار کرنے کے بعد علوم لسان عربی پر یہ فہرست درج کی ہے - نحو ، لغت ، بیان اور ادب ، ان میں سے نحو و لغت پر ہم گفتگو کر چکے ہیں - عربی شعر و ادب کی تدوین کا کام بھی قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت اور ان کے مفہوم سے صحیح طرح آشنا ہونے کے لیے کیا گیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے علماء کی ایک کثیر تعداد نے اسالیب عرب ، اقوال عرب ، اشعار عرب اور قدیم ضرب الامثال کو کتابی صورت دینی شروع کر دی - جب یہ لوگ قدیم شعراء کے دواوین اراجیز اور اشعار جمع کر رہے تھے تو ان کا اصل مقصد صرف لغت کی تدوین یا اشعار کے ذریعے مسائل نحو پر استشہاد کرنا تھا - شعر کے حسن و قبح پر تنقید کرنا یا ان کی تشریح توضیح کرنا نہ تھا - بالالفاظ دیگر شعر و ادب کا مطالعہ قرآن و حدیث کی خاطر کیا جا رہا تھا - مطلق شعر و ادب کے لیے نہیں - چنانچہ جب حماد الراویہ نے معلقات جمع کیے تو ان کو بغیر تشریح و تفسیر کے روایت کیا - خلف الاحمر نے لامیۃ العرب کی روایت بغیر تفسیر کے کی - اسی طرح اصمعی نے اصمعیاۃ اور اراجیز کی روایت بدون تفسیر کی -

ابن قتیبہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی کتاب الشعر و الشعراء کے مقدمے میں لکھتے ہیں :

و کان اکثر قصدی للمشھورین من الشعراء الذین یعرفھم جل اھل الادب ، و الذین یقع الاحتجاج باشعار ھم فی الغریب و فی النحو ، و فی کتاب اللہ عز و جل و فی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -

ابن عباس کے قول : اذا قراتم شیئا من کتاب اللہ و لم تعرفوہ فاطلبوہ فی الاشعار لان الشعر دیوان العرب کی بنا پر علماء خاص طور پر ادب کی طرف متوجہ ہوئے -

علم ادب سے ۲۰ سے زیادہ علوم متفرع ہوئے جن میں اہم صرف ، اشتقاق ، معانی ، بدیع ، بیان اور عروض ہیں - یہ سب علوم قرآن مجید کی خدمت کے لیے وضع کیے گئے -

علم تفسیر

علم تفسیر تو خاص قرآنی علم ہے اور اس کی تدوین قرآن مجید کے معانی صحیح طور پر سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کی گئی - قرآن مجید کی پہلی تفسیر حضرت

ابی بن کعب نے لکھی جن کا انتقال عہد فاروقی میں ہوا تھا - ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے اُن سے روایتیں کی ہیں - پہلی صدی ہجری کے وسط میں حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد حضرت سعید بن جبیر نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی - محمد بن کعب قرظی اور عطاء بن ابی رباح نے بھی قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں - عباسی دور میں اس فن نے بہت ترقی کی اور قرآن مجید کی بڑی ضخیم تفسیریں تحریر کی گئیں -

علم الحدیث اور علم الرجال بھی قرآن مجید کی خدمت کے لیے وضع کیا گیا - علم فقہ قرآن مجید سے احکام شرعیہ کے استنباط کے لیے معرض وجود میں آیا -

حدیث ، فقہ ، نحو اور ادب کے راویوں کی چھان پھٹک اور اُن کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے طبقات کا علم مرتب ہوا اور طبقات الشعراء ، طبقات المفسرین ، طبقات النحویین ، طبقات اللغوین وغیرہ پر کتابیں لکھی گئیں -

تاریخ

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں امم قدیمہ کے احوال و واقعات اور قصوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے - سورہ ابراہیم میں ارشاد باری تعالی ہے :

ألم یاتکم نبأ الذین من قبلکم قوم نوح و عاد و ثمود و الذین من بعدھم لایعلمھم الا اللہ -

سورہ الدوم میں ہے :

غلبت الروم ○ فی ادنی الارض و ھم من بعد غلبھم سیغلبون ⊙ فی بضع سنین للہ الامر من قبل و من بعد و یومئذ یفرح المومنون -

قرآن مجید میں یہی سورہ یوسف ارشاد ہے :

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الباب - سورۃ طه میں ہے کذلک نقص علیک من انباء ما قد سبق -

جب مفسرین کرام نے تفسیریں لکھنی شروع کیں تو امم قدیمہ کے بارے میں قرآن مجید میں مذکور ان واقعات کی تفصیلات معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جس کی بنا پر علم تاریخ کی ترتیب و تدوین شروع ہوئی - اس کے ساتھ ساتھ آنحضور کی سیرت اور سرگرمیوں کے مطالعہ نے بھی علم تاریخ نویسی کی تحریک کی حوصلہ افزائی کی - علم التاریخ میں مسلمانوں نے اتنے روشن کارنامے انجام دیے ہیں کہ ان کی مثال دنیا کی کسی اور قوم کے ہاں نہیں ملتی - دنیا کی دیگر تمام اقوام کی قدیم تاریخیں سوائے بے سر و پا قصوں ، دیو مالا اور اساطیر کے اور کچھ نہیں - مسلمانوں کے ہاں چونکہ علم تاریخ کا ارتباط تفسیر اور حدیث سے تھا اس لیے تاریخ نویسی کے اسلوب تالیف پر اسناد کے استعمال کا بڑا گہرا اثر پڑا - پروفیسر Gibb

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں عربی تاریخ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں : یہاں پہنچ کر پہلی مرتبہ اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم علم تاریخ کے اعتبار سے ٹھوس زمین پر کھڑے ہیں -

جغرافیہ اور تقویم البلدان

قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیات موجود ہیں جن میں علم جغرافیہ اور تقویم البلدان کی تحصیل پر رغبت دلائی گئی ہے - مثلاً ''افلم یسیروا فی الارض فتکون لهم قلوب یعقلون بها او آذان یسمعون بها فانّها لاتعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور'' اور ''قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کانت عاقبة المکذبین'' وغیرہ قرآن مجید کی ان آیات میں مذکور احکام کی پیروی میں مسلمانوں نے علم جغرافیہ کی تحصیل و تکمیل کی طرف توجہ مبذول کی - علم حدیث کی طلب میں علماء نے دور دراز ممالک کی جانب سفروں ، اطراف و اکناف عالم اسلامی سے مسلمانوں کے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف آنے اور اس کے ساتھ ساتھ خراج اور جزیہ وغیرہ کے بارے میں فقہی احکام کے ٹھیک طور پر مفتوحہ ممالک پر منطبق کرنے کے جذبے نے بھی جغرافیہ اور تقویم البلدان کو مقبول بنا دیا - یہ بات بلا خوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کے علم جغرافیہ کی ترقی میں قرآن مجید ، فن حدیث و رجال اور عام تحقیقی و مشاہداتی ذوق نے بڑا حصہ لیا -

سائنسی علوم اور قرآن

مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں مختلف سائنسی علوم میں جو کمال حاصل کیا وہ بھی قرآن مجید کی تعلیمات کی بنا پر ممکن ہوا - قرآن مجید صرف مذہبی احکام و فرامین کا مجموعہ نہیں بلکہ اس نے روحانی و اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بے شمار سائنسی علوم سے بھی روشناس کیا - اس کتاب نے بغیر سوچے سمجھے اور آنکھیں بند کرکے مان لینے کا حکم نہیں دیا ، بلکہ عقل کو استعمال کرکے اُس کے ذریعے ہستی باری تعالیٰ کو پہنچاننے کا حکم دیا ہے - اوہام باطلہ اور مشرکانہ ضعیف الاعتقادیوں کی تکذیب و تردید کرکے لوگوں کو دعوت دی ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں - رموز فطرت کو سمجھنے کی کوشش کریں ، زمین و آسمان کے اسرار پر غور و غوض کریں اور اجرام سماوی کے عقدے حل کرنے کی سعی کریں - اگر وہ اس پر تدبر کریں گے تو اُن کی فطرت سلیمہ خود بخود اُن کی راہنمائی اُس ذات کی طرف کر دے گی جو ان تمام اشیاء کی منظم و مدبّر ہے -

قرآن مجید نے علوم دینی و دنیوی کی تفریق نہیں کی بلکہ تمام ان علوم کو جن کے ذریعے انسان رموز کائنات کو سمجھ سکے اور ہستی باری تعالیٰ تک پہنچ سکے سیکھنا لازمی قرار دیا ہے - قرآن کریم نے بار بار لوگوں کو علم حاصل کرنے پر

اُبھارا ہے ۔ لفظ علم یا اُس کے مشتقات کا تذکرہ قرآن کریم میں ۷۶۵ مرتبہ ہوا ہے ۔ تقریباً ۷۵۰ ایسی آیات ہیں جن میں مختلف کائناتی علوم کا ذکر ہے ۔ قرآن مجید میں بجز لفظ اللہ کے کوئی کلمہ علم سے زیادہ نہیں دہرایا گیا ۔ یہ قرآن کی نظروں میں علم کی جلالت و عظمت کی بہت بڑی دلیل ہے ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس میں لکھنے اور پڑھنے اور علم حاصل کرنے کی رغبت دلائی گئی ۔ قرآن مجید میں ایسی آیات بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں جن میں مختلف علوم کو سیکھنے ، رموز کائنات معلوم کرنے اور اسرار مخلوقات پر غور و فکر کی ترغیب دلائی گئی ہے ۔ ان آیات میں علم فلک ، نیچرل سائنس ، پہاڑوں ، دریاؤں، نباتات ، آسمان ، ابر ، پانی ، ہوا اور روح کے متعلق اعلیٰ معلومات حاصل کرنے اور ان چیزوں میں جو قوانین قدرت کے راز پوشیدہ ہیں ان کا پتہ چلانے کی پر زور ہدایت پائی جاتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی پیدا کی ہوئی کئی چیزوں کی قسم کھائی ہے ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدائے پاک کو ان مخلوقات کی قسم کھانے کی کیا ضرورت تھی ؟ نوع انسانی ایسی چیزوں کی قسم کھایا کرتی ہے جس سے اُس کو فائدہ پہنچتا ہو اور اس بنا پر وہ ان اشیاء کی قدر کرتی ہو ۔ خداوند کریم نے انسان کے اس فطری میلان کی بنا پر اپنی بعض قابل قدر مخلوقات و مصنوعات کے فوائد اُس پر آشکارا کرنے کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ ان کی قسم کھائی ہے اور اس طرح انسانوں کو اُن اشیاء کی طرف متوجہ کیا ہے تاکہ وہ انھیں پہچانیں اور ان کے فوائد سے خبردار ہوکر نفع اٹھائیں ۔ ان کی قسم کھانے کا مآل صرف یہ ہے کہ انسان ان کا علم حاصل کرے اور مصنوعات باری تعالیٰ کے عجائب و غرائب سے واقف ہوکر اُس کی عظمت و جلالت کا قائل ہو ۔ پروردگار عالم نے اجرام علوی اور اُن کے خواص ، روشنیوں اور مواقع کی بیسیوں قسمیں کھائی ہیں ۔ اس کے بعد رات کے چلنے کی قسم یوں کھائی ہے و اللیل اذا یسر یعنی رات زمین کے گرد چلتی ہے ۔ وہ دن کے پیچھے چلتی ہے اور دن اُس کے پیچھے آتا ہے ۔ ہر قمری مہینے کی پہلی رات کی قسم اس لیے کھائی کہ ان میں اندھیرے کا حصہ روشنی پر غالب رہتا ہے ۔ و النجم اذا ھویٰ ، ستارہ ڈوبنے کی قسم اس کے ڈوبنے پر متنبہ کرنے کے لیے کھائی ۔ ستاروں کے مواقع اور ان کے دور کے دائروں کی بھی قسم کھائی ہے اور اُس کے بعد فرمایا ہے ۔ انہ لقسم لوتعلمون عظم ۔ یعنی اگر تم معلوم کرو تو یہ ایک بہت بڑی قسم ہے ۔ ان سے بجز اس کے بعد کیا معلوم کیا جا سکتا ہے کہ قسم کھا کر انسان کو مقسم بہ کی اہمیت سے آگاہ کیا گیا ہے تاکہ وہ ستاروں کے مواقع ، ان کے اندازوں ، دائروں اور حرکات و سکنات کی معرفت

و شناخت حاصل کرے۔

فلک اور اجرام سماوی کی قسم کھا کر اور ان کی اہمیت کی طرف توجہ دلا کر پروردگار عالم نے ایسی چیزوں کی اہمیت بتائی ہے جو آسمان کے نیچے ہیں یا کرہ ارض کو محیط یعنی اس سلسلے کو غبار آڑانے والی ہو آن کے ذکر سے شروع کیا اور فرمایا :

و الذاریات ذروا ، پہاڑوں کی قسم کھائی و التین و الزیتون و طور سینین و ھذا البلد الامین : گھوڑے کی قسم کھائی ''و العادیات ضبحا'' ۔ پھر ہر ایک ذی جنس اور محسوس ہونے والی چیز کی قسم کھائی ۔ و شاھد و مشھود ۔

یہ قسمیں اس بات کا فائدہ دیتی ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان اشیاء کے بارے میں غور و فکر کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور آن پر حساب ، ہندسہ ، نجوم ، طعبیات ، علم العمران اور علم النفس وغیرہ تمام علوم کا جاننا لازمی قرار دیا ہے ۔ اس لیے کہ مذکورہ بالا قسمیں ان ہی چیزوں کی طرف توجہ دلاتی ہیں جو ان تمام علوم و فنون کا ماخذ اور سرچشمہ ہیں ۔

قرآن نے علم کی طرف متوجہ کرنے کا ایک اور طریقہ بھی استعمال کیا ہے اور وہ یہ کہ علم کی بہت تعریف کی ہے اور اس کے مقابلے میں جہالت کی شدید مذمت کی ہے ۔ خداوند تعالیٰ نے علم کو اپنی ذات کے ساتھ منسوب کیا ہے اور یہ علم کی بہت بڑی تکریم ہے ۔

قرآن پاک کے ان واضح احکام کی تعمیل میں مسلمانوں نے علوم و فنون کی تحصیل کو اپنا شعار بنا لیا اور انھوں نے طب ، طبیعات ، کیمیا ، ریاضی ، فلکیات اور دیگر علوم میں انتہائی روشن کارنامے انجام دیے ۔

قرآن مجید کے عربی زبان و ادب پر اثرات کے اس مختصر جائزے کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ عربی زبان میں جو علوم پیدا ہوئے خواہ وہ دینی تھے یا دنیاوی اور اس میں جو کچھ لکھا گیا سب قرآن مجید کا مرہون منت تھا ۔ میں اس مقالے کا خاتمہ جرجی زیدان کے اس جملے پر کرتا ہوں :

و بالجملۃ فان للقران تاثیرا فی آداب اللغۃ العربیہ لیس لکتاب دینی مثلہ فی اللغات الاخری ۔